علم معاش و معاد

کی

صحیح حیثیت

از

مولانا سید سلیمان ندوی

شائع کردہ
ادارۂ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی
حیدرآباد دکن

علاوہ محصول ڈاک

سید غلام رسول نے عہد آفریں برقی پریس
میں
طبع کرا کے ادارۂ دعوت الحق سے
شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم معاش و معاد کی صحیح حیثیت

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا وَقَالَ وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

برادرانِ اسلام! پہلی آیت سورۂ بقر کی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے، اور دوسری آیت سورۂ علق کی ہے، جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی وحی کا ٹکڑا ہے یا یوں کہیئے کہ پہلی آیت آفرینش عالم کی درسگاہ کا اور دوسری آیت خاتم النبیئین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز درس کا پہلا سبق ہے اس نکتہ سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ دینِ اسلام کے عقیدہ اور تعلیم میں علم کی کتنی اہمیت ہے، کہ اسی نقطہ علم سے کائنات کے دائرہ کا آغاز ہوتا ہے اور اسی نقطہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خطِ مستقیم شروع ہوتا ہے، وہ تعلیم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ساری دنیا کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم فرمائی ہمارے مفسرین اور علماء نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسماء کی تفسیر میں بہت سے اقوال بیان کیئے ہیں، کسی نے اس کو ذات وصفات الٰہی تک محدود کر دیا ہے اور کسی نے صرف چیزوں کے نام جیسے درخت، جانور، کتے، بلی کے ناموں تک پھیلا دیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام بتا دیئے، سو یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی تعیین اشارۂ نص کے خلاف ہے کیونکہ فرشتوں سے سوال میں استفسار ہوتا ہے اَنبئُونی باسماءِ ھٰؤلاءِ اِنْ کنتم صادقین، ھٰؤلاءِ کا اشارہ تو مسمّیات کی طرف ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات مسمّیات

کی شکل میں متشکل نہیں ہوسکتیں، اور دوسرے قول میں آدم کی یہ تعلیم لفظوں سے آگے نہ تھی، حالانکہ یہ لفظی تعلیم کوئی بڑے شرف کی چیز نہیں، حدیث شفاعت سے بھی جو صحیح بخاری کی کتاب التوحید والرد علی الجھمیہ میں ہے، اس کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اسماء کی تصریح آئی ہے وَعَلَّمَكَ اَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہیں، بلکہ اشیاء کے اسماء تھے۔

عربی میں اسماء کے معنی بے شبہ نام کے ہیں، جیسے اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا (یہ صرف نام ہیں جن کو تم نے نام رکھ چھوڑا ہے) لیکن چیزوں کے اکثر نام اوصافی ہوتے ہیں، اس لئے اسماء کے دوسرے معنی صفات اور اوصاف کے ہیں جیسے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (سب سے اچھے نام یا اوصاف اللہ ہی کے ہیں) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو صرف اللہ یا بقول بعض دوسرا نام رحمان بھی علم ہے، ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور سب نام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدم علیہ السلام کو اشیاء کے تمام اوصاف وصفات و خواص و آثار بتائے گئے اور یا وہ الفاظ جو ان اوصاف و آثار پر دلالت کریں۔

انسانی معلومات کا جائزہ

خوب غور کیجئے کہ آغاز عالم سے لے کر اس وقت تک بنی آدم نے جو کچھ جانا، اور معلوم کیا ہے وہ اس حد سے جس کا دائرہ اللہ تعالیٰ

نے ازل ہی میں کھینچ دیا تھا، ایک ذرہ زیادہ نہیں جانا اور نہ جان سکتا ہے، اس نے جو کچھ جانا اور معلوم کیا ہے، جس کا نام اُس نے علم اور تحقیق رکھا ہے۔ وہ اشیاء کے ظاہری اوصاف وخواص وآثار سے ایک حرف زیادہ نہیں ہے، اشیاء کے حقائق کا نہ اس کو علم بخشا گیا، اور نہ وہ جان سکتا ہے، اس کو معلوم ہوا کہ آگ کی صفت جلانا ہے، مگر یہ کہ آگ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی صفت جلانا کیوں ہے نہ اس نے جانا ہے اور نہ وہ جان سکتا ہے، یہی حال ساری اشیاء کا ہے، کہ ان کے خواص و آثار کے علم کا دروازہ تو اس کے لئے کھول دیا گیا ہے، مگر ان کے حقائق کا باب اس پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے، اور پھر جو کچھ اس نے جانا بھی ہے اس کے مقابلہ میں جو اس نے نہیں جانا ہے، بہت ہی کم ہے، اور اس کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دی، ارشاد ہوا:- وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اے انسانو تم کو علم کا بہت ہی تھوڑا حصہ ملا ہے) صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ حقیقی کے مقابلہ میں انسان کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر میں سے کوئی چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے لے، اس سے اندازہ ہوگا کہ انسان کے دعوائے علم کی بساط کیا ہے، اور یہ وہ حقیقت ہے جس کو نہ صرف اہلِ نقل مانتے ہیں، بلکہ اہلِ عقل بھی اس سے زیادہ کے مدعی نہیں، پرانے فلسفیوں کا قول ہے جس کو ایک

شاعر نے ایک مصرعہ میں ادا کر دیا ہے۔ ع

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد۔

اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کو کچھ معلوم نہیں تو اس نے بڑا علم پایا اور یہ حقیقت ہے کہ جاہل تو جاہل عالم بھی اگر اس حقیقت کو سمجھ لے، تو وہ عقل و شیطان کے بڑے کیدا سے نجات پا جائے، اور پھر اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ کا شیطانی فقرہ اس کی زبان سے نہ نکلے۔

عام اہلِ عقل کو جس چیز کے جاننے کا دعویٰ بھی ہے، اس کے متعلق ابھی کہہ چکا کہ وہ علم بھی اشیاء کے اسماء اور آثار و صفات کے دائرہ سے باہر نہیں، اور ان کی حقیقت بھی ہنوز راز ہے اور راز رہے گی۔ عارفِ شیراز فرماتے ہیں:- ع

ایں با ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

یعنے انسان جس کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کو بھی وہ نہیں جانتا ہے، اور جس کا سمجھنا وہ ظاہر کرتا ہے اس کو بھی وہ نہیں سمجھتا، استاذ مرحوم کا شعر ہے

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کہ کشود　　گشت رازِ دگر آں راز کہ افشا می کرد

قدیم فلسفہ کہتا ہے کہ جسم ہے جسم کیا ہے، ہیولیٰ اور صورت سے مرکب، ہیولیٰ کیا ہے اور صورت کیا ہے، ایک حامل دوسرا محمول، ایک قابل دوسرا مقبول، ایک امتداد مطلق اور دوسرا اس امتداد مطلق کا محل یہ سارے لفظوں کے گورکھ دھندے ہیں آج کل کا سائنس داں کہتا ہے، کہ جسم کیا ہے، چھوٹے چھوٹے

ذرّوں سے مرکب (ایٹمز)، یہ ذرے کیا ہیں، برقپارے (الکٹرون) ہیں، یہ برقپارے کیا ہیں قوت ہیں، قوت کیا ایتھر، ایتھر کیا ہے، نامعلوم حقیقت، غرض دعوائے علم کا ہر قدم جہالت پر ختم ہوتا ہے، یہ ہے انسان کا علم۔ یورپ کا وہ سائنٹسٹ جس نے مسئلۂ کشش اجسام کو ثابت کیا نیوٹن ہے جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ موجودہ سائنس کا بانی اول ہے۔ اس نے مرتے وقت یہ اقرار کیا کہ اس کے علم کی حیثیت وہی ہے جو اس بچہ کی جو سمندر کے ساحل پر بیٹھا ہوا...... ریت پر سنگریزوں اور کنکریوں سے کھیل رہا ہو، یہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کی الٰہی حقیقت کا انسانی اعتراف ہے۔

آج کل کائنات کی وسعت اتنی مانی جاتی ہے، جو پہلے کبھی نہیں مانی جاتی تھی، پہلے فلسفی کائنات کو آسمانوں کے اندر بند مانتے تھے، اور کہتے تھے کہ آسمان کے نیچے آگ کا کرّہ ہے، پھر ہوا کا پھر پانی اور مٹی کے کرّے، اور ان سارے کرّوں کو اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کو محیط فلک نہم ہے لیکن اس زمانہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وسعتِ عالم کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا، جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ صرف ہمارے اس ایک آفتاب کا نظامِ کائنات ہے اور یہ دور سے چھوٹے چھوٹے ثوابت ستارے معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک آفتاب ہے، اور ہر ایک آفتاب کے گرد اسی طرح چاند ستارے اور دوسرے مستقل کرّے، اور نظامِ کائنات ہیں، اس سے قیاس

ہو گا کہ کائنات علم کی وسعت کا کیا عالم ہے، اب انسان کے علم پر غور کیجئے کہ ان لاکھوں کروڑوں میں سے انسان کا علم صرف ایک نظام شمسی تک محدود ہے، جس میں وہ آباد ہے، اب دیکھئے کہ نظام شمسی میں سے بھی اس کا علم آفتاب و ماہتاب اور بعض ستاروں کی روشنی اور حرکت تک محدود ہے، یہ کس سے بنے ہیں، ان کے اندر کیا ہے، ان کے اوپر کیا عجائبات ہیں، ان سے قطعاً ہم واقف نہیں، اب آسمان سے زمین پر آیئے، زمین کی ظاہری سطح کو آپ نے ناپ ڈالا ہے، اس کے کچھ طبقوں کو کھود ڈالا ہے، پانی کی تہ کی سیر کی ہے، اس کے اندر کچھ اترے ہیں، پہاڑوں کو کھودا ہے، ان کی چوٹیوں کو ناپا ہے، گھنے جنگلوں میں گھسے ہیں، ریگستانوں کو عبور کیا ہے تاہم یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کو ساری مخلوقاتِ ارضی، بحری و ہوائی کا علم ہو گیا ہے ہر جڑی بوٹی کا خاصہ ہم نے جان لیا ہے، اور ہر موجود کی تحقیق کرلی ہے، اب انسان کی علم کی وسعت کتنی ہی ہو گئی ہو تاہم اس کے معلوم سے اس کے مجہول کا پایہ بڑھا ہی ہوا ہے، گویا سارے نظاماتِ عالم میں سے جن کی تعداد لاکھوں تک ہوگی ہم کو صرف ایک نظام شمسی کے صرف ایک گوشہ کا کچا پکا علم حاصل ہوا ہے اور اس پر انسان کو علم کا غرور اور واقفیت کا ناز ہے، اَستَغفِرُ اللہ۔

اب ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ اس زمین کے اوپر کی چیزوں کا سارا حال ہم کو معلوم ہو گیا ہے اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں

کہ ہم کو کیا معلوم ہوا ہے، ہم کو آگ پانی ہوا اور مٹی کا علم ہوا ہم کو بجلی معلوم ہوئی، ہم کو آفتاب کی روشنی اور گرمی دریافت ہوئی، ہم پر ان کی قوتوں کا راز ظاہر ہوا، ہم کو جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم ہوئے۔ ہم نے ان اشیاء کو کبھی جوڑ کر اور کبھی توڑ کر بہت سی چیزیں بنائیں، آلات ایجاد کیئے، مشینیں چلائیں بھاپ اڑائی، بجلی دوڑائی، پانی میں جہاز چلائے، ہوائیں ہوائی جہاز اڑائے، بڑی بڑی توپیں بنائیں زہریلی گیسیں پھینکیں، اور وہ سب کچھ کیا، جو اس بڑی لڑائی میں ہم نے دنیا کو دکھایا۔ لیکن غور کیجیے اس علم کی وسعت میں تمام اور اشیاء کے خواص و آثار وصفات کے حدود سے ہمارا ایک قدم بھی باہر نکلا، کیا آگ، پانی، ہوا، مٹی، بجلی اور بھاپ اور دیگر عناصر اور موجودات میں سے کسی کی حقیقت تک ہماری رسائی ہوئی، ہم کو صرف یہ معلوم ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ان بنائی ہوئی چیزوں سے کیسے فائدے اٹھا سکتے ہیں لیکن ان چیزوں کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے، اس پر وہ پردہ پڑا ہوا ہے جو نہ کبھی اٹھا ہے، اور نہ کبھی اٹھ سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ) اور نیز
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۝

کہ ہم نے ان سب چیزوں کو انسانوں کے کام میں لگا دیا ہے، اب ہم کو جو کچھ علم اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے وہ صرف یہی علم ہے کہ ہم ان

چیزوں سے کیونکر فائدے اٹھا سکتے ہیں، اور کیونکر ان سے نفع حاصل کر سکتے ہیں، لیکن یہ علم کہ ان چیزوں کی حقیقت کیا ہے ان کو ہمارے علم کے حدود سے باہر رکھا گیا ہے، یعنے اس حرم راز میں قدم دھرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ہماری مثال ایسی ہے، جیسے کوئی دہقان کسی بادشاہ کا مہمان ہو، بادشاہ نے اس کے لئے محل خاص میں اس کے آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا کر دیئے، پانی کے فوارے، بجلی کے قمقمے، فرش فروش اور ظروف و آلات قرینے سے لگا دیئے، عجیب و غریب سامانوں سے سارے محل کو معمور کر دیا، اب یہ سارے سامان تو مہمان کے لئے ضرور ہیں اور ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے کی ترکیب اور تدبیر تو مہمان ضرور جان سکتا ہے لیکن ان اشیاء کے حقائق و معارف اور مصنوعات کی صنعت کاری کی تحقیق کی نہ اس کو اجازت ہے اور نہ اس دہقان کے پیمانہ علم میں اس کے سمانے کی گنجائش ہے۔

ساری دنیا کس کے لئے

ابر و باد و مہ و خورشید فلک کارند   تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

یہ سارا عالم آفتاب سے لے کر زمین تک قلیوں کی طرح کام میں لگا ہوا ہے تاکہ آدم کے بچوں کو جو اس فیض عام کے دسترخوان پر مہمان ہیں، کھانے کو روٹی، پینے کو پانی، اور پہننے کو کپڑے اور سایہ کرنے کو گھر ملیں یہی چاروں چیزیں انسان کی اصلی ضرورتیں

ہیں حضرت آدم کی جنت کی تعریف یہ فرمائی گئی تھی اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوعَ فِیهَا وَلَا تَعرٰی وَاَنَّكَ لَا تَظمَاءُ فِیهَا وَلَا تَضحٰی۔ ہماری دنیاوی جنت بھی ہے، جہاں بھوک، پیاس اور دھوپ اور برہنگی سے بچاؤ ہو، انہی چیزوں کے مہیا کرنے کے لیئے سارا عالم چکر کاٹ رہا ہے اور گردش کر رہا ہے۔ اور اس سامان کے ہاتھ آنے کی غرض یہ تھی کہ انسان اپنی بقا کو مدت متعینہ تک محفوظ رکھے اور اس میں اپنے میزبان خلاقِ عالم کے شکر و اطاعت کا فرض بجا لائے وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونَ، ہم نے جن و انس کو اپنی طاعت و معرفت کے لیئے پیدا کیا، غرض سارا سامان انسان کی محدود بقا کے لیئے ہے، اور انسان خود اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لیئے بنا ہے، یہی مفہوم خطبوں میں ہم کو ان الفاظ میں سنایا جاتا ہے۔ اِنَّ الدُّنیا خُلِقَت لَکُم وَاَنتُم خُلِقتُم لِلاٰخِرَۃِ دنیا تمہارے لئے اور تم آخرت کے لیئے بنے ہو، جدید تعلیم کے ایک پروردہ آئی سی ایس دوست نے مجھ سے نظامِ عالم کی وسعت کا تذکرہ کر کے کہا اس وسیع دنیا میں انسان کی حیثیت ایک ذرہ سے زیادہ نہیں، پھر کیا یہ ساری کائنات اسی ذرہ کے لیئے بنی ہے ان کا یہ تعجب ایسا تھا کہ جی میں آیا کہ پوچھوں کہ اگر اشیاء کی قیمت کا پیمانہ ناپ سے ہے تو آپ جیسے چار پانچ فیٹ کے آدمی کے لیئے یہ سینکڑوں گز کی لمبی چوڑی عمارت اور ایک دو فرلانگ کی کوٹھی سرکار نے کیوں بنا رکھی ہے اور یہ سوال بھی

کیا جا سکتا تھا، کہ اس اصول کے مطابق آدمی ہاتھی کے لیئے بنا ہے، ہاتھی آدمی کے لیئے نہیں، غالباً عوام نے ایسے ہی عقل والے آدمیوں کے لئے یہ امتحانی سوال مقرر کیا ہے، کہ عقل بڑی کہ بھینس؟ دنیا کی اس وسعت و عظمت میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس سارے نظامِ عالم میں عقل و معرفت، ہوش و رائے علم و احساس، اور قصد و ارادہ کی سب سے بڑی نعمت سے سب محروم ہیں اور صرف یہی ۶ فیٹ والا ایک انسان اس سے سرفراز کیا گیا ہے اس لئے تکلیف و شریعت اور بالارادہ طاعت کی امانت کا وہی ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ
كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب - ۹)

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر، زمین پر، اور پہاڑوں پر
پیش کی، تو سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا
اور ڈر گئے اور انسان نے اٹھا لیا، وہ ظالم و جاہل تھا۔

انسان کی صحیح حیثیت

اب یہیں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ انسانوں کو بارگاہِ الٰہی سے جو کچھ خاص چیزیں ملی ہیں، وہ اس کی اپنی نہیں بلکہ بطورِ امانت اس کو بہ ضرورت اور مصلحتاً سپرد ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آدم کو

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

پیدا کر کے اور اسماء و صفات و خواص کا علم عطا فرما کر اس کو اپنی بقا کی ضرورتوں کی بہم رسانی کا سامان بخشا، لیکن خود اس کی حیثیت ملائکۂ عالم کو یہ بتائی گئی، اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین میں ایک اپنا نائب اور نمائندہ بنا رہا ہوں، نائب اور نمائندہ وہی ہوتا ہے۔ جو اصل کی طرف سے اصل کے دیئے ہوئے احکام کو جاری کرتا، اور اس کے بخشے ہوئے اختیار کو کام میں لاتا ہے اور ان احکام کے اجراء اور اختیار کے کام میں لانے کے لئے جو ساز و سامان ضروری ہے، وہ اسی اصل سے عاریتاً اس کو ملتا ہے، اور امانتاً اس کے پاس رہتا ہے، پس انسان کو عقل و قدرت، ہوش و خرد اور علم و معرفت کا جو سامان ملا ہے، وہ اصل کی نقل اور مالک سے مستعار ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اسی مبتدا کی خبر ہے اور صوفیہ کے اس قول کی شرح ہے، کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ سب اسمائے الٰہی کے مظاہر ہیں اور ان میں سے انسان اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اس طرح تخلقوا باخلاق اللہ کا منشا اس سے پورا کرتا ہے۔

غیر محدود بھوک و پیاس کے ثمرات

یہ سب کچھ کیوں ہوا، تاکہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرے اور طاعت بجا لائے، لیکن غافل انسان کیا کرتا رہا اس عظیم الشان فرض سے جو اس پر عائد ہے غفلت برتتا رہا۔ اور

برت رہا ہے اس کو اس زمین میں متعینہ مدت کی بقا کے لئے کھانے پینے، رہنے اور پہننے کی چار چیزوں کی پیدائش اور سامان کے لئے جو محدود علم اور قوت ملی تھی اس کو اس نے اِن چاروں چیزوں کے حصول کی غیر محدود بھوک اور پیاس پیدا کر کے صرف ان کے حصول میں صرف کرنے لگا اور کر رہا ہے۔ اس کا سارا وقت اور اس کی ساری جسمانی و دماغی قوت صرف اس میں خرچ ہو رہی ہے کہ کس طرح ساری دنیا کا کھانا اور پانی اسی کو مل جائے ساری زمین اس کے قبضہ میں آ جائے، اور سارا سامان صرف اسی کے تصرف میں رہے، غرض اسی سامان کے غیر ضروری ہمہ گیر حصول و حفاظت اور پیداوار اور بہتات اور سب کو صرف اپنی ملکیت بنانے میں وہ اپنی قوت اور طاقت کا ہر ذرّہ فنا کر رہا ہے، اور اس کھانے پینے، اوڑھنے اور رہنے کے سارے ذخیرہ پر بلا شرکت غیرے زیادہ سے زیادہ تصرف کے پیچھے وہ دیوانہ ہو رہا ہے، اور اِس مشغولیت اور انہماک میں اس کو اس دنیا کے چھوڑنے اور دوسری دنیا میں جانے اور اسکے لئے اپنے اوپر عائد کردہ فرائض کی بجا آوری میں خالق کی معرفت اور اس کے احکام کی تعمیل کو بالکل بھلا بیٹھا ہے، بادشاہ سے لے کر مزدور تک سب اسی میں مبتلا ہیں، اس کا سارا زور و ظلم، جبر و قہر چوری اور سینہ زوری، غصب، سرقہ، ڈاکہ، قتل کی وارداتیں اور زنا اور بدکاری، طمع و حرص، عدم قناعت ساری برائیاں اسی سے پیدا ہوئی ہیں، حدیث میں ہے لا یملأ بطن آدم الا

التراب آدم کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی بھرے گی، پھر فرمایا اگر آدم کے پاس ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی کا جویا رہتا ہے۔” شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ کسی نے سلطان محمود کو خواب میں دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہیں، ایک صاحبِ معرفت نے اس کی تعبیر دی ”چشمش نگرانست کہ ملکش با دیگرانست“

ہفت اقلیم اربگیرد بادشاہ
ہم چناں در بند اقلیمی دگر

قیام امن کا واحد ذریعہ

بادشاہ کو اگر ساتوں اقلیموں کی سلطنت بھی مل جائے تو وہ اس پر بھی ایک دوسری اقلیم کی فکر میں رہے گا۔ یہ حقیقت آج بھی عیاں ہے، بادشاہ بادشاہ سے، قوم قوم سے اور ملک ملک سے صرف اس لئے لڑنے میں مصروف ہے کہ اس کو وہ بھی چاہیئے، جو دوسرے کے قبضہ میں ہے، اسی سے انسانوں میں بیقراری قوموں میں تباہ کاری، ملکوں میں پریشاں روزگاری اور بادشاہتوں میں ستمگاری کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے، اب چاہے کوئی کتنی ہی لیگ آف نیشنس اور سان فرانسکو کی مجلسیں بنائے دنیا میں امن اور اطمینان اور قوموں میں سکون اور ملکوں میں تسکین پیدا نہیں ہو سکتی، اس کا علاج صرف ایک ہی ہے، سیاسی و اجتماعی قناعت، اور آتِ کُلَّ ذی فضلٍ فضلہٗ اور ان تؤدّوا الامانات اِلیٰ اھلھا، پر عمل۔ جو جس کا ہے وہ اُس کو دو، ورنہ کوئی قوم سب کچھ پاکر بھی تسلّی

نہیں پا سکتی۔

مومن و کافر کی زندگی کا امتیازی تفاوت

اسی طرح کوئی انسان سب کا سب کھا جائے تب بھی اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا، کیونکہ وہ اسی کھانے اور پینے کو زندگی کا اصلی مقصد سمجھتا ہے، اور ظاہری زندگی کی اسی چہل پہل اور رونق کو اصلی زندگی جانتا ہے۔ لیکن ہم غور کریں اور سوچیں کہ یہ صفت اصل میں کفر کی ہے، ایک مومن اور کافر کا فرق یہی ہے، کہ مومن بقدرِ ضرورت کفاف پر بسر کر کے مالک کے حکم کے مطابق دوسری زندگی کے لئے اس پہلی زندگی کے عائد کردہ فرائض کو بجا لاتا ہے اور اس دنیا کی ضروریات میں ضرورت کی حد تک جو بقا کے لئے ضروری ہے مصروف ہوتا ہے، اور باقی وقت کو اصل کام میں لگاتا ہے، لیکن وہ لوگ جو دوسری دنیا کے قائل نہیں اپنے اعمال کی جوابدہی اور اپنے کاموں کے مواخذہ سے بے خبر ہیں دیکھ لیجئے کہ ان کا سارا انہماک، خواہ نوکری، زراعت، تجارت سلطنت کسی کام میں ہو محض خورد و نوش کی بہتات اور مسکن و ملبس کی رونق اور افراط کے لئے ہے اور اس کے لئے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ہو سکے تو غیروں کا حصہ بھی چھین کر، چوری کر کے غصب کر کے ڈاکہ مار کے، فریب دے کے، دھوکا دے کے قتل کر کے حاصل کرے۔ اور اس خوشی میں مگن رہے کہ سب کچھ ہمارے پاس ہے اور قیامت تک کے لئے ہمارے پاس سامان ہے حالانکہ خود زیست

جس کے لئے یہ قیامت کا سامان ہے، چند روز سے زیادہ کی نہیں کیا ان سے زیادہ کوئی احمق ہو سکتا ہے، کیا جانوروں کی زندگی یہی نہیں ہے، انہی کی شان میں اللہ تعالیٰ کا بار بار ارشاد ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ
اَوْ یَعْقِلُوْنَ ہ اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ
بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (فرقان ۔۴)

کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کافروں میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ نہیں ہیں مگر جانوروں کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

سورۂ محمد میں ہے:۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ
کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ
(محمد ۲)

اور جو کفر میں مبتلا ہیں وہ اسی طرح دنیا کے فائدے اٹھاتے اور پیٹ بھرتے ہیں، جیسے جانور، اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ایک اور آیت ہے:۔

ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ
الْاَمَلُ (حجر ۔۱)

ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ کھاتے اور دنیا سے تمتع اٹھاتے رہیں اور دنیا کی آرزو ان کو غفلت میں ڈالے رہے،

دوسری آیت میں ہے:-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ
أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ (اعراف-۲۲)

ان کافروں کے دل ہیں جن سے سمجھ کا کام نہیں لیتے اور آنکھیں ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور کان ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ جانوروں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

ان کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں جو عضو جس کام کے لئے بنا ہے جب اس سے اس کا کام نہ لیا جائے تو وہ بیکار ہے گویا اس کا وجود ہی نہیں، ان آیتوں میں ان کفار کو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ اور جاہل بتایا گیا ہے۔ اس لئے کہ بہر حال ہر جانور طوعاً و کرہاً زبردستی یا اپنے جی سے اس کام کو بجا لا رہا ہے جس کے لئے وہ دنیا میں لایا گیا ہے۔ مگر جو اپنی خلقت اور دنیا میں اپنی آمد کی غرض کو بھلائے ہیں، وہ تو ان سے بھی بڑھ کر بے عقل اور احمق اور گمراہ ہیں۔

مسلمان کی قیامت سے بے خبری

آج کل مسائل اعتقادی میں جس اعتقاد سے سب سے زیادہ غفلت برتی جا رہی ہے، وہ یوم الدین اور روزِ قیامت کا مسئلہ

ہے، قیامت سے قیامت کی غفلت ہے۔ کافر تو کافر مسلمان تک اگر اس سے غفلت نہیں تو تغافل ضرور برت رہے ہیں۔ یعنے ایماناً تو بہر حال اس کا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں لیکن عملاً اس عقیدہ پر یقین ہونے کی صورت میں ان کے طرز عمل میں جو تبدیلی ہونی چاہیئے، وہ نہیں ہے، اس لئے بطور نظریہ کے تو وہ مانتے ہیں، لیکن زندگی کے کاروبار اور اعمال میں اس ایمان سے اگر وہ قائل ہوتا جس نتیجہ کی امید تھی وہ پوری نہیں ہو رہی ہے، اور سمجھتے ہیں۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

حالانکہ یہ آرام ویسے ہی ہے جیسے جانوروں کو مزبلہ میں اور کیڑوں کو نجاستوں اور گندگیوں میں ملتا ہے۔

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

خدا فرماتا ہے :۔

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۝

(عنکبوت - ۷)

اور آخرت ہی کی زندگی زندگی ہے۔

آج کل اسی دنیاوی زندگی کے عیش و نشاط کی بہتات اور افراط کا نام ترقی رکھا گیا ہے جس کی ہر طرف پکار ہے دولت پرست اور سرمایہ پسند قوموں کی تقلید میں ترقی کی تعبیر بڑی بڑی ملازمتوں بڑی بڑی تنخواہوں اور حکومت کی نگاہ میں اعزاز و اکرام اور جاہ و منصب کی طلب اور حصول سے کی جاتی ہے حالانکہ یہ

دولت اور جاہ و منصب ایسا ہی ہے جیسے شاہی غلاموں کی کمر اور گلے میں طلائی اور نقرئی پٹے اور کمربند پڑے ہوئے ہوں، یا قفس کی سنہری تیلیوں کے اندر خوش نوا پرندوں کو بند کر دیا جائے۔

انسان صرف پیٹ نہیں ہے

آج کل اس راہ میں دو قسم کی گمراہیاں یکجا ہیں ایک طرف سرمایہ دار قومیں ہیں جنھوں نے سونے چاندی کی اینٹوں سے بت تراشے ہیں، وہ دنیا کے سارے سرسبز علاقوں پر اس لیئے حکومت کرنا چاہتی ہیں کہ ساری دنیا کی دولت کو اپنے خزانوں میں جمع کرلیں، دوسری طرف اب سوشلزم کا زور ہے، جو حقیقت میں سرمایہ داری کی پہلی غلطی کا ردِ عمل ہے، پہلا گروہ اگر صرف تاجروں زمین کے مالکوں، بنک کے حصہ داروں اور دولت کے ٹھیکہ داروں کے خزانوں کے بھرنے میں مصروف ہے، اور اس کو عام انسانوں سے بحث نہیں تو دوسری طرف یہ دوسرا گروہ عام انسانوں کے پیٹ کے بھرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اور اس حد تک تو بات صحیح بھی ہے، لیکن اس کی افراط یہ ہے کہ اس نے انسان کو صرف پیٹ سمجھا ہے، اور اس پیٹ کے مسئلہ کو دنیا کا اصلی مسئلہ بنا رکھا ہے، اور اس کو اس قدر اہمیت اور وسعت دی ہے، کہ ساری دنیا ایک پیٹ میں سما گئی ہے۔ مذہب، اخلاق، تمدن، تاریخ سے لے کر کاروباری زندگی کی صلح و جنگ کے ہر ایک حادثہ کی تشریح اسی پیٹ سے کی جاتی ہے، ہم کو پیٹ کی اہمیت سے انکار

نہیں، حدیث میں جس طرح شر فتنۃ الغنی سے پناہ مانگنے کی دعا کی تعلیم ہے اسی طرح شر فتنۃ الفقر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے، اس لئے اسلام میں دولت کے طغیان اور مفلسی کی ذلت دونوں سے بچنے کی تعلیم یکساں ہے جس طرح طغیان دولت کا نتیجہ استکبار اور تمرد یعنی فرعونیت و نمرودیت اور شدادیت ہو کر کفر کا موجب ہوتا ہے تو دوسری طرف ذلت اور مسکنت غضب الٰہی کا مظہر ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ قرآن پاک میں و كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا روایتوں میں وارد ہے لیکن ضرورت افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی ہے، موجودہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک فقرہ منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا" سو یہ بات ٹھیک ہے انسان کے جسم میں پیٹ ہے، جس کی مشکل کے حل کرنے کا نام علم معاش ہے لیکن اس کے سینہ میں دل بھی ہے، اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ
مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ
مُّنِيْبِ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ ، (ق ۳)

یہ جنت موعودہ اس کے لئے ہے جو باطل کو چھوڑ کر حق کو قبول کرتا ہے اور حقوق و آداب کی نگرانی کرتا ہے جو اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور لایا وہ دل جس میں رجوع ہے،

ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ چلے جاؤ اس میں سلامت -
ایک دوسری آیت میں یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ وارد ہے، یعنی وہ قلب جو ہر باطل اور کجی سے سلامت رہا حدیث شریف میں وارد ہے -

الا انّ فی جسد المضغة اذا صلحت صلح
الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد
کُلّه الا وھی قلبُ ،

ہاں انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا
ہے جب وہ ٹھیک ہو گا تو سارا بدن ٹھیک ہو گا،
اور جب وہ بگڑے گا تو سارا بدن بگڑ جائے گا ہاں
وہ دل ہے۔

معاشی و معادی علوم کا تلازم

اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ کا کام اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے قلب کو حیاتِ مادی اور بقا حاصل ہو، جب تک کے لئے اس دنیا میں اس کی بقا مقدر ہے، اور قلب کا کام یہ ہے کہ سارے نظامِ جسم کو صالح بنائے رکھے اور فساد سے بچائے، اس لئے ہمارے لئے جس طرح پیٹ کے سامان کی ضرورت ہے، قلب کے سامان کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے، دونوں میں سے ایک سے بھی تغافل نہیں برتا جا سکتا، اگر پیٹ سے غفلت برتیے، اور صرف قلب کے کام میں لگے رہیے تو عجب نہیں کہ بقول عارفِ شیراز

جب پچھلی پہر رات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اور آپ تہجد کی نماز کو بھوکے پیاسے کھڑے ہوں، تو کان میں یہ آواز آئے۔ ؏

چہ خورد بامداد فرزندم

اگر پیٹ پورا بھرا ہو، اور قلب کی اصلاح کی طرف توجہ نہ ہو تو قرآنِ پاک کے بموجب بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا عیش دنیا میں ناز و غرور کی شان پیدا ہو کر خود حق تعالیٰ سے بغاوت اور طغیان پیدا ہو جائے فَأَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا یعنے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بستی تباہ ہوتی ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ اس بستی کے دولت مند اور اصحابِ نعمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر ڈالتا ہے اس لئے بڑی ضرورت ہے پیٹ کی طرح قلب کی بھی فکر کی جائے

اِنسانی علم کے دو اقسام

پیٹ کی فکر رکھنے والے علم کا نام ہم نے پہلے علم معاش بتایا ہے، اور قلب کی فکر رکھنے والے علم کو علم معاد کہتے ہیں اور حقیقتہً یہی دو علم ہیں، جو انسان کے لئے ضروری ہیں، البقیہ فنون تفریح و آرائش ہیں جن کا آرٹ نام رکھا گیا ہے وہ بھرے پیٹ کی ڈکار، اور آسودہ حالوں کا دل بہلاؤ ہے۔

ہم نے تقریر کے شروع میں دو آیتیں پڑھی تھیں ایک کا تعلق

اس علم سے ہے، جو شروعِ آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھایا تھا، اور جس کو تعلیم اسماء فرمایا ہے، اور جس کی تشریح ہم نے علمِ آثار و اوصاف و صفات و خواص اشیاء سے کی ہے، اور انہی چیزوں کی تحقیق، اور علم پر دنیا میں بقائے انسانی اور اس کے لئے غذائے انسانی اور سامانِ ضروریاتِ انسانی موقوف ہے، اس لئے میرا ذوق ادھر جاتا ہے کہ یہ تعلیم ان علوم کی تھی، جن کا تعلق علمِ **معاش** سے ہے وہ علمِ معاش جو حق تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اور شکرِ نعمت کی طرف لے جائے۔ وَاشْكُرُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ یعنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبودیت اور بندگی کرتے ہو۔

ملائکہ اور انسان کی عبادت کا فرق

انسان کی وہ ساری عبادتیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے دراصل وہ شکر ہی کی صورتیں ہیں، ملائکہ کی پیدائش تو طاعت اور اطاعت ہی کے لئے ہوئی ہے، لَا يَعْصُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ ان کی شان ہے اور تسبیح و تقدیس ان کی غذا ہے، لیکن یہ طاعت ان کے قصد و اختیار سے نہیں اس لئے موجب ثمرات قصد و ارادہ نہیں، اور پھر وہ طاعت و اطاعت، مشاغلِ دنیا اور افکار و مساعی حصول خورد و نوش و دفعِ مضرات و رفعِ موانع اور مواقع صبر و شکر و قطع حرص و طمع وغیرہ، رذائل و فضائل اور انہماک حیات دنیا کے لذائذ و آلام سے تمام تر خالی ہے، ملائکہ نے حضرت آدمؑ کی

پیدائش کی غرض وغایت اطاعت وطاعت کی وہ صورت سمجھی تھی، جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی، کہ دن رات وہ اس طاعت وعبادت میں مصروف ہیں، اور ان کا کوئی دوسرا شغل ہی نہیں ہے جو اس طاعت وعبادت سے مانع ہو اور نہ ان میں جذباتِ بہیمیہ اور ہوائے نفس ہے، جو ان کو بے قابو کرے اس لئے انھوں نے جب عرض کی

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔

(بقر-۴)

ہم تو آپ کی حمد وثنا میں لگے ہی رہتے ہیں۔

تو ارشاد ہوا:۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقر-۴)

یعنے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

اور وہ یہ تھا کہ آدم کو طاعت وعبادت کی وہ راہ بتانی مقصود تھی، جو مادیات وجذبات اور خواہشوں کے بیچ سے ہو کر نکلی ہے، اس کے لئے ان کو آثار وصفات وخواص اشیاء کی تعلیم ہوئی جو فرشتوں کو نہیں ملی تھی کیونکہ ان کے کاموں کے لئے ان کی ضرورت نہ تھی اُنھوں نے کہا:۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۔ (بقر-۴)

یعنے پاک ہے پروردگار، یعنے تیرا کام ہر اعتراض سے پاک ہے، ہم کو وہی معلوم ہے، جو تو نے سکھایا، اصلی علم اور حکمت

تو تیرے ہی پاس ہے۔

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت آدم کی صورت میں ایسی مخلوق کو بنا رہا تھا، اور اس کو اپنے اخلاق و صفات کی امانت سپرد کر رہا تھا جو دنیا کو برت کر دین کو حاصل کرے، جو پیٹ کے جھگڑے میں پھنس کر قلب سے غفلت نہ کرے، جو دنیا کے لذائذ اور نعم سے گذر کر لذت ابدی کی طالب ہو، جو ضلالت اور غفلت کے ہر تماشے کے سامنے سے دلیرانہ گذرے، مگر اس میں پھنس کر خالق سے بے نیاز نہ ہو جو دنیا کے مشاغل میں الجھ کر یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو جس کی یہ شان ہو۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ ۝ (نور - ۵)

ایسے لوگ جن کو دنیا کے کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

ہمارے حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملائکہ کی راہ مشاہدہ کی اور انسان کی راہ مجاہدہ کی ہے، اب ظاہر ہے کہ خالص طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی وہ شکل جو ملائکہ کو عنایت ہوئی ہے اور جس کا ان کو دعویٰ تھا اس طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی شکل سے الگ ہے جو بنی آدم کے لئے مقدر فرمائی گئی تھی، اس لئے آدم کو جو تعلیم فرمائی گئی اس کا تعلق انہی علوم سے ہو سکتا تھا جن کی ضرورت ملائکہ کو نہ تھی، پس یہ علوم جو شروع میں آدم کو عنایت ہوئے، وہ وہی ہیں جن کا تعلق دنیا میں رہ کر حصولِ معاش سے ہے

جو نفوسِ انسانی میں آغازِ عالم سے ودیعت ہیں، اور جن کو خالقِ فطرت نے ان کے دل و دماغ کے سپرد کیا ہے، اور جس کو تجربہ و اختیار غور و فکر اور قیاس و عقل کے راستوں سے وہ حاصل کرتا ہے۔

معاشی و معادی علوم کی تحصیل کا اصلی مقصد

دوسرا علم جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥ (علق-۱۰)

یعنے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا؛

اس کا اشارہ علومِ معاد کی طرف ہے، جو تجربہ و اختیار، غور و فکر اور قیاس و عقل کے بجائے انبیا علیہم السلام کی براہِ راست وحی کے ذریعہ سے انسان کو عنایت ہوئے اور اسی لئے یہ آیت حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی ہی وحی میں اتری، پہلے علوم کا مقصد بقائے انسانی، غذائے انسانی اور فراہمی سامان و ضروریات انسانی سے ہے، اور دوسرے علم کا مقصد انسان کے اصل مقصد کی طرف رہنمائی ہے جس سے طاعت و اطاعت کی شریعت معلوم ہو اور قلب کے صلاح و فساد اعمال کے خیر و شر اور معاملات کی خطا و صواب سے آگاہی ہو جس سے اس دنیاوی بقا و غذا کی راہ سے آخرت کی زندگی اور راحت کا سامان ہو، غرض آغازِ عالم میں تعلیم فطری کے گر بتا کر جو علم بخشا گیا، اس کا تعلق ان علوم سے ہے جو انسانوں میں بغرضِ کسبِ معاش ودیعت رکھے گئے ہیں، اور جن کو ہم تجربہ اور عقل و قیاس سے معلوم کرتے ہیں، اور دوسرا علم علمِ شریعت ہے جو انسان کی مادی بقا کا اصلی مقصد و غایت ہے

اور جس کا ماخذ محض وحی الٰہی ہے پہلے علوم پیٹ کے علاج ہیں اور دوسرا علم قلب کی صلاح کی تدبیر، اور انہی دونوں پر عالم کی بقا و صلاح کا مدار ہے، علوم معاش پر بقا کا اور علوم قلب پر صلاح کا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھانے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ:

یعنے شکر ہے اُس اللہ کا جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور مجھے مُسلمان بنایا۔

درحقیقت اس دعا میں ان دونوں نعمتوں کو یکجا کیا گیا، پیٹ کو جس کا متکفل علم معاش ہے، اور دل کو جو سلم سے عبارت ہے جس کی ضمانت علم معاد و شرع کے ذریعہ سے فرمائی گئی ہے، اس موقع پر غذائے جسمانی کے ساتھ غذائے روحانی بھی یاد فرمائی گئی، اور پیٹ کے بھرنے کے ساتھ قلب کے سنورنے پر بھی انسان نے اس مالک کی حمد ادا کی جو اس پیٹ سے اصل مقصود ہے۔ پیٹ بھرنا نفس کی شرارت کے لئے نہیں، جیسا کفار و فساق نے سمجھا ہے۔ بلکہ پیٹ بھرنا قلب کے صلاح کے لئے ہے، کہ وہ دلجمعی سے حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف اور اس کی طاعت و اطاعت میں مشغول رہے،

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

کسب معاش کا صحیح طریقہ

دین اسلام میں بندہ پر طلب رزق حلال واجب ہے اور قرآن پاک میں

اللہ تعالیٰ نے اس کو ابتغاء فضل اللہ سے تعبیر فرمایا، یعنے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش، تاجر صدوق کے بڑے بڑے مراتب ظاہر فرمائے ہیں، اور ان تاجروں کو جو جھوٹی قسموں اور جھوٹی لفاظیوں سے اپنی تجارت کو فروغ دیں سخت وعید فرمائی گئی ہے، اسی طرح زراعت اور باغبانی کو بھی ایک نوع کی عبادت بتایا گیا ہے کیونکہ ہر دانہ جو اس محنت سے نکلتا ہے اور ہر پھل جو اس سے پیدا ہوتا ہے انسان تو انسان پرندے بھی جو اس کو کھاتے ہیں وہ انسان کے ثواب کے ثمرات کو بڑھاتے ہیں اسی طرح اہل و عیال کے رزق کے لئے جو کوشش کی جاتی ہے، اور ان کے منہ میں جو لقمہ بھی جاتا ہے وہ مرد مومن کے لئے اجر کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح معاملات داد و ستد میں حسنِ سلوک، قرضۂ حسنہ، صدقات و خیرات و تبرعات، غرض جملہ مالی معاملات جو لوجہ اللہ اور تحتِ احکامِ الٰہی ہوں رضائے الٰہی کا موجب ہیں، علیٰ ہٰذا سلطانِ عادل بھی زمین پر خدا کی رحمت کا سایہ ہے، سلطنت و حکومت، نظم و نسق، عدل و انصاف جہاد و غزا، فصلِ قضا اور وہ تمام امور جو سیاست سے متعلق ہیں، وہ تحتِ احکامِ الٰہی عبادات میں داخل ہیں، پھر مصائب پر صبر، مشکلات میں توکل علی اللہ، استقامت فی الدین اور اسی قسم کے دوسرے اخلاق و فضائل بھی قربِ الٰہی کے ذرائع ہیں، میرا مقصد اس بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں جب آدم کو مسجود ملائکہ بنایا تو یہ طے فرما دیا تھا کہ نسل آدم کے لئے معرفت و عبادت اور قرب الٰہی کے راستے اور وسیلے اور ذریعے فرشتوں کی خالص تسبیح و تقدیس کے ذریعوں سے جن کو وہ قرب و رضائے الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے تھے الگ ہیں، اور اس نے مجاہدہ کی اس دشوار گذار گھاٹی سے نکال کر بنی آدم کے لئے اپنی معرفت اطاعت کی شاہراہ الگ مقرر فرما دی تھی، سورہ بلد میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ
یَّقْدِرَ عَلَیْہِ اَحَدٌ یَقُوْلُ اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗ اَحَدٌ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ
وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ فَلَا اقْتَحَمَ
الْعَقَبَۃَ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ فَکُّ رَقَبَۃٍ اَوْ
اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ اَوْ
مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ اُولٰٓئِکَ
اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ۰

ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر قابو نہیں پا سکتا، کہتا ہے کہ ہم نے بڑا مال اپنا برباد کیا کیا اس کا یہ گمان ہے کہ اس کو کوئی نہیں دیکھتا کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو (خیر و شر کے دونوں) راستے سوجھائے، وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہیں نکلا، تمھیں کس نے بتایا کہ وہ گھاٹی کیا ہے (غلامی یا قرض سے دبی ہوئی) گردن (کی بندش) کو کھولنا یا بھوک کے دن میں کسی قرابتدار یتیم یا خاک میں پڑے ہوئے محتاج کو کھانا کھلانا پھر کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو اور مجاہدات میں برداشت کی اور آپس میں مہر و شفقت کی دوسرے کو نصیحت کریں یہی لوگ داہنے ہاتھ والے ہیں۔

اب اجمال کے طور پر یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں مشقت اور محنت اور مجاہدے ہی کے لیے پیدا ہوا ہے اس کو دین ہو یا دنیا میں جو کچھ ملیگا اس کی محنت و مشقت ہی سے مل سکے گا جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

وَاَن لَّیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ ، (نجم - ۳)

یعنے اور نہیں ہے انسان کے لئے لیکن وہی جس کی اس نے کوشش کی ، اسی لئے اس کو دولت عطا فرمائی ، اسی لئے آنکھیں زبان اور ہونٹھ اور دوسرے اعضا اس کو عنایت ہوئے کہ ان سب کو حکم الٰہی کے ماتحت کام میں لاکر دنیا اور آخرت کے مدارج حاصل کرے اسکو خیر وشر کی دونوں راہیں بتادی گئی ہیں ۔

فَاَلہَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقوٰهَا ، (شمس ۱)

یعنے اس کو گناہگاری اور پرہیزگاری دونوں کا الہام کردیا گیا ، اب اس کا فرض ہے کہ وہ اس گھاٹی میں سے ہو کر پار نکلے اور منزل مقصود تک پہنچے یہ گھاٹی کیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح کا حصول اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرنا ہے غرض یہ ساری آیتیں بنی آدم کی شاہراہ معرفت کی نشاندہی کررہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح وتقدیس کے ملکوتی طریق معرفت کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ بنی آدم کے لئے مزید ذریعے اور طریقے جو خاص انہی کے لئے مخصوص تھے مقدر فرمائے اور

اِنِّی اَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ (بقرہ - ۴) یعنی میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کا ارشاد الٰہی پورا ہوا ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرشتوں سے الگ انسانوں کے لئے اور نسل بنی آدم کے لئے جو امور ومعاملات ان کی زندگی کے مقررہ اوقات کے بخوبی بسر کرنے کیلئے مقدر فرمائے گئے ہیں وہ معرفت الٰہی اور اطاعت الٰہی کے ذرائع اور وسائل ہیں اور یہی نسل بنی آدم کی مزیت اور فضیلت ہے کہ وہ معاشی ومعادی دونوں مجاہدات سے گزر کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتی ہے ۔

اس تقریر کی بناء پر ہمارے ذمہ دو قسم کے علوم کی تعلیم وطلب ضروری ہوئی ایک وہ جس سے امور معاش حاصل ہوں اور دوسرے وہ جن سے علوم معاد کی راہ کھلے اور دونوں اگر احکام الٰہی کے تحت میں ہوں تو ہمارے لئے قرب ورضا کے حصول کے ذرائع ہیں ۔ اِن اُرِیدُ اِلَّا الاِصلَاحَ مَا استَطَعتُ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللہِ عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَاِلَیہِ اُنِیبُ ۔

۵۹۷۳